© rasailojaraid.com

اکٹر مظفر عباس

مولانا حسرت موہانی ــ قبولِ عام کی پون صدی

حسرت کے اپنے بیان کے مطابق ان کی شاعری کا آغاز ۱۸۹۲ء میں ہوا اور ان کی پہلی غزل جو ۱۸۹۱ء کی ہے، کلیاتِ حسرت کے ضمیمے میں شامل ہے۔ ۱۹۰۳ء میں وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہوئے اور اسی سال اپنا معرکتہ آلارا ادبی مجلہ "اردوئے معلیٰ" جاری کیا۔ اگرچہ ان کی شاعری کی شہرت کا آغاز علی گڑھ کالج کے قیام کے دوران میں ہی ہو گیا تھا لیکن ۱۹۰۳ء کے بعد یہ شہرت علی گڑھ کی حدود سے باہر چار دانگ ہندوستان میں پھیل گئی اور ان کی مقبولیت ان کے کئی ایک بزرگ اور تمام معاصر شعرا سے بڑھ گئی۔ اس اعتبار سے حسرت کی مقبولیت کا آغاز آج سے کم و بیش پون صدی قبل ہوا۔ اس دور میں حسرت کی شخصیت اور فن کے بارے میں ان کے ناقدین کی رائے کیا تھی، یہ چند آرا بخوبی اس کی وضاحت کرتی ہیں۔

" تم آدمی ہو یا جن ــ! پہلے شاعر تھے، پھر پالٹیشن بنے، اور اب بنیے ہو گئے" (مولانا شبلی نعمانی)

" سید فضل الحسن حسرت موہانی کی زندگی کے واقعات پر نظر کر کے ان کی شان حضرت ابوذرؓ صحابی کی نظر آتی ہے جن کی نسبت رسول اللہؐ نے فرمایا ــ ابوذرؓ سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی ــ" (مولانا سید سلیمان ندوی)

" حسرت نے جس وقت غزل گوئی شروع کی اس وقت بھی وہ اپنے رنگ میں منفرد تھے اور اب بھی کہ تغزل کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے، ان کا کوئی ہم سر نہیں ــ" (علامہ نیاز فتح پوری)

" حسرت کی شاعرانہ فطرت نے ان کی زندگی پر اور ان کے سوانح زندگی نے ان کی شاعری پر اثر ڈالا ہے ــ حسرت عاشق ہیں تو شاعر ہیں، صوفی ہیں تو شاعر ہیں، مسلمان ہیں تو شاعر ہیں، محبِ قوم و وطن ہیں تو شاعر ہیں، میدانِ سیاست میں گرم رَو ہیں تو شاعر ہیں، گرفتار ہیں، تو شاعر ہیں۔ (پروفیسر حامد حسن قادری)

گزشتہ پون صدی میں اردو تنقید نے ایک طویل سفر طے کیا ہے، زمانہ بدلا، اذہان بدلے خیالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدلے، پیمانے بدلے، انداز بدلے، وہ نظریات جنھیں سر آنکھوں پر جگہ دی جاتی تھی، یکسر متروک قرار پائے، نئی آرا قابلِ قبول ٹھہریں، لیکن حسرت کے فن کا کمال اور ان کی شخصیت کی شان یہ ہے کہ اس پورے عرصے میں ان کی مقبولیت و اہمیت میں ذرہ برابر کبھی کمی نہ ہوئی، بلکہ قبولِ عام میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے، جس کا ثبوت موجودہ دور کی ان چند آرا میں بخوبی ملتا ہے ——

"حسرت کی شاعری کے چہرے پر ایسی سرخی ہے جو شاید ہی کسی اور غزل گو کے چہرۂ شاعری پر نظر آئے۔ اگر میرے کتب خانے سے امیر و داغ سے لے کر آج تک کے غزل گو شعرا کے دواوین چوری ہو جائیں، مجھے ہر دیوان کے چوری ہو جانے کا غم ہوگا، لیکن حسرت کے دیوان کے چوری ہو جانے کا سب سے زیادہ قلق ہوگا ——" (فراق گورکھپوری)

"غالب کے بعد حسرت پہلے شاعر ہیں جن کو میں اردو کا سب سے توانا اور صحت مند شاعر سمجھتا ہوں ——" (پروفیسر رشید احمد صدیقی)

"حسرت زندگی کے لیے ایک معمہ تھے، لیکن زندگی حسرت کے لیے معمہ نہ تھی . . . ان کے ذہنی شعور کے ہاتھوں نئی قدروں کی تخلیق ہوتی تھی، وہ نئی دنیا کی تعمیر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ تنہا تھے لیکن ان کی یہ تنہائی ایک مستقل انجمن تھی ——" (ڈاکٹر عبادت بریلوی)

"آخری گروپ میں وہ تین شاعر جنھیں میں حقیقی معنوں میں شاعر سمجھتا ہوں، حسرت، فانی اور فراق ہیں —— یہ غزل کے لیے پیدا ہوئے ہیں ——" (پروفیسر کلیم الدین احمد)

"اگر میں اپنی زندگی میں کوئی قابلِ فخر بات محسوس کرتا ہوں تو صرف یہ کہ میں نے مولانا حسرت کو دیکھا ہے، ان سے باتیں کی ہیں، ان کے ساتھ چند دن پھرا ہوں۔ تحریک پاکستان کے جلسوں میں ایک طالب علم کی حیثیت سے اُن کے سامنے الٹی سیدھی تقریریں کی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ میں نے فتح پور ہسوہ کے اس مدرسے میں تعلیم پائی ہے، جس کے ممتاز ترین طالب علم مولانا حسرت موہانی ہیں ——" (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

"ان کے اشعار میں گرم و گداز جذبہ ایک زیریں لہر کی طرح تو سدا موجود رہتا ہے مگر حسرت کی شخصیت کا رکھ رکھاؤ اور تہذیبی انداز اس میں عامیانہ پن پیدا نہیں ہونے دیتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری عشق کے جملہ لوازم سے عبارت ہونے کے باوجود کہیں بھی فحاشی سے ملوث نہیں ہونے پاتی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر وزیر آغا)

گویا حسرت کے قبولِ عام کا سلسلہ پون صدی پر محیط ہے - بلکہ پرنسپل عبدالشکور کا خیال تو یہ ہے کہ یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک انسان اور کائنات کا تعلق قائم ہے - وہ لکھتے ہیں:

"سوال کیا جاتا ہے کہ کیا حسرت کا کلام ابدی ہے، کیا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا؟ اس سوال کا جواب مشکل نہیں ہے - انسان کے خون میں جب تک گرمی اور حرارت موجود ہے، حسرت کی گرما گرم غزلیں اور رنگین اشعار ہمیشہ پسند کیے جائیں گے - اس دنیا میں جب تک محبت کی داستانیں زندہ ہیں، اور عشق کا کاروبار قائم ہے، حسرت کے پرستاروں کی تعداد میں کمی واقع نہ ہوگی - (پرنسپل عبدالشکور)

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسرت کے ہاں ایسی کیا کشش ہے جو زمان و مکاں کی حدود سے بالاتر ہے اور جو ذہنی بعد اور خیالات میں تبدیلی کے باوجود حسرت کے قبولِ عام پر کوئی زد نہیں آنے دیتی - اس سوال کا جواب اگرچہ کافی طویل ہو سکتا ہے لیکن انتہائی اختصار کے ساتھ اس کا جواب صرف ان دو لفظوں میں دیا جا سکتا ہے یعنی حسرت کا عشق ـــــ کہ جس کے اظہار کے لیے انھوں نے شاعری کو اور شاعری میں بھی صنفِ غزل کو ذریعہ بنایا کہ یہ صنف اپنے مزاج کے اعتبار سے حسرت کے موضوع سے ہم آہنگ اور قریب تر ہے - اس سلسلے میں حسرت نے اپنے کئی اشعار میں واضح اشارے کیے ہیں:

عشقِ حسرت کو ہے غزل کے سوا ـــــ نہ قصیدے، نہ مثنوی کی ہوس
لکھتا ہوں مرثیہ، نہ قصیدہ، نہ مثنوی ـــــ حسرت، غزل ہے صرف مری جانِ عاشقاں
سوئیت آپ کا مقصد، بغاوت آپ کا مسلک ـــــ مگر اس پر بھی حسرت کی غزل خوانی نہیں جاتی

بلکہ اپنے دیوان کے حصۂ اول (طبع ثانی ۱۹۱۶ء) کے ضمیمے میں اپنے لیے غزل کی صنف کے انتخاب کا اعلان کرتے ہوئے واضح طور پر یہ کہا ہے ـــــ

"۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۲ء تک کی شاعری کا ایک بڑا مجموعہ نظموں، قصیدوں، قطعوں، غزلوں اور نظم انگریزی کے ترجموں کی شکل میں راقم حروف کے پاس موجود ہے جس کی نسبت گمان یہ تھا کہ نظرِ ثانی کے بعد قابلِ اشاعت ہو جائے گا - لیکن بعد میں کچھ تو اس خیال سے کہ ابتدائی کلام کی اصلاح و ترقی کی یہ کوشش کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق قرار پائے گی اور کچھ اس لحاظ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ رفتہ رفتہ راقم حروف کی طبیعت نے اپنے لیے اصنافِ سخن میں سے غزل کو اپنے حسب حال پاکر منتخب کرلیا ہے، اس کل مجموعۂ خرافات کو یک قلم نظر انداز کر دیا ہے" (عبارت، خاتمۂ دیوانِ حسرت، حصۂ اوّل (طبع ثانی) متعلق بہ ضمیمہ الف)

اسی طرح جب "اردوئے معلیٰ" میں انھوں نے شعرا کے انتخاب شائع کیے تو صنف غزل ہی کو درخورِ اعتنا سمجھا۔ اس پس منظر میں حسرت کی شہرت ہمارے سامنے ایک تکون کی صورت میں ابھرتی ہے جس کا ایک سرا حسرت ہیں، دوسرا غزل اور تیسرا عشق —— اور ان میں بنیادی اہمیت عشق کو حاصل ہے جس کے اظہار کے لیے حسرت نے غزل کو ذریعہ بنایا۔

میرے نزدیک حسرت کی شاعری کا حسین ترین پہلو اُن کی غزل گوئی اور ان کی غزل گوئی کا حسین ترین پہلو ان کا بیانِ عشق ہے۔ یوں تو ہر دور کے شعرا نے عشق کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور اس کا اظہار اپنے کلام میں مختلف و متنوع انداز سے کیا ہے، مثلاً ولی کا کہنا ہے:

شغل بہت ہے عشق بازی کا　　　کیا حقیقی کا کیا مجازی کا

مگر حسرت کا عشق چیزے دیگر ہے کہ وہ عشق کو شغل سمجھ کر نہیں برتتے، ان کے ہاں عشق طرزِ زیست کی حیثیت میں ابھرتا ہے، جو اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے اور جس کا رچاؤ، ان کی شخصیت اور شاعری دونوں میں بہت گہرا ہے۔ حسرت نے بارہا اپنے اشعار میں اس جانب اشارے بھی کیے ہیں:

قیدِ مذہب سے بھی کچھ بڑھ کے ہے قیدِ غمِ عشق　　　حسرتؔ آزاد ہے، کہنے ہی کو، آزاد نہیں

میرا ایمان عجب کیا ہے جو ایمانِ تصوف ہے　　　تصوف جانِ مذہب، عاشقی جانِ تصوف ہے

لیکن بات سے بات نکلتی ہے اور یہاں پھر یہ سوال مرتب ہوتا ہے کہ آخر حسرت کے عشق میں ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ سب ہی ان کا دم بھرتے ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف توجیہات ہمارے سامنے موجود ہیں، نفسیات اور دروں بینی کی دُور کی کوڑیاں لائی گئی ہیں، کسی نے انھیں رند شاہد باز تو کسی نے صوفی پاک باز تصور کیا ہے۔ سب باتیں اپنی جگہ پر درست ہیں لیکن میرے خیال میں حسرت کا کمال صرف یہ ہے کہ وہ سب کچھ ہو کر بھی گوشت پوست کا انسان رہتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کی یہی خصوصیت ہمارے بعض ناقدوں کو کھٹکتی ہے اور وہ حسرت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس نظریہ ساز شاعری کی توضیح کرتے ہیں، جب وہ اس پر پورا نہیں اترتا تو اسے درجہ دوم کے اچھے شاعروں میں شمار کرنے لگتے ہیں، تاہم یہ بھی غنیمت ہے کہ پورا شاعر تو تسلیم کرتے ہیں، وگرنہ ہماری ادبی تاریخ میں ماضی میں بھی اور آج بھی کئی شاعروں کو " نصف شاعر " ہونے کا اعزاز بھی بخشا جاتا رہا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، بات حسرت کے عشق کی ہو رہی تھی۔ عشق کے خارزار صحرا میں کبھی تپتے جھلستے ریگ زاروں اور کبھی خنک نخلستانوں سے گزرتے ہوئے ایک انسان کا فطری ردِّعمل جو ہونا چاہیے، اور ہوتا ہے، اسی کا اظہار حسرت کی شاعری میں ہوا ہے۔ حسرت کا عشق نہ تو آفاق کی پہنائیوں میں گم ہو جانے والا وہ نغمہ ہے جس کی تھاہ کو کوئی نہ پہنچ سکے، اور نہ ہی وہ بلند آہنگ لے ہے جو کائنات کی وسعتوں میں گونج کر بکھر جایا کرتی ہے۔ بلکہ یہ تو ایک ایسا نغمہ ہے جو زندگی کے نیچے سُروں میں گاتی ہے اور جس کا رس کانوں کو حلاوت و شیرینی کے ذائقوں سے آشنا کرتا ہے۔ اور یہی حسرت کے قبول عام و بقائے دوام کا رازِ سربستہ ہے۔

یادگارِ شبلی

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

اس کتاب میں شبلی نعمانی کے مفصل حالاتِ زندگی اور اُن کی تصانیف اور کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ کو ہمارے ادب اور تاریخ میں جو بلند مقام حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے احوالِ زندگی سید سلیمان ندوی مرحوم نے حیاتِ شبلی میں جمع کیے تھے۔ تصانیف کے متعلق وہ ایک علیحدہ کتاب لکھنا چاہتے تھے، لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر اکرام صاحب کی اس کتاب یادگارِ شبلی میں نہ صرف مکمل حیاتِ زندگی ہیں اور اس کے ساتھ وہ مواد بھی سمیٹ لیا گیا ہے جو سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیاتِ شبلی کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوا ہے، بلکہ علامہ شبلی کی ہر ایک کتاب پر علیحدہ علیحدہ تفصیلی تبصرہ بھی ہے۔

صفحات ۵۰۰ قیمت ۳۰.۰۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے عقائد وافکار

(مقالات الاسلامیین)

علامہ ابوالحسن اشعری
ترجمہ
مولانا محمد حنیف ندوی

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی ہجری کی وہ جلیل القدر شخصیت ہیں جنھوں نے مسلسل چالیس برس تک اعتزال وجہمیت کی فتنہ سامانیوں کا شکار رہنے کے باوجود اپنے لیے فکر وتعمق اور اجتہاد وکلام کا ایک علیحدہ اور منفرد دبستان سجایا۔

"مقالات الاسلامیین" ان کا وہ علمی شاہ کار ہے جسے افکار ونظریات کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ان تمام عقائد اور افکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کر دیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں کے فکری وکلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے وہاں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ماضی میں فکر ونظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کن معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو قائم اور برقرار رکھا ہے۔

حصہ اوّل	صفحات	۳۸۰	قیمت ۰۰ — ۲۰ روپے
حصہ دوم	صفحات	۴۴۲	قیمت ۰۰ — ۲۰ روپے

بیدل

خواجہ عباداللہ اختر

ابوالمعانی مرزا عبدالقادر وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جنھیں مرزا غالب اور علامہ اقبال "مرشد کامل" کہتے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے بھی دادِ سخن دی ہے۔ ان کا نظیر متقدمین میں چند ہستیاں ہیں، متاخرین میں ان کا مثل بمشکل پیدا ہوگا۔ یہ کتاب فاضل مصنف کے چالیس سالہ مطالعہ اور تحقیق کا ماحصل ہے اور بیدل کے کلام کی ایک بے مثل جھلک پیش کرتی ہے۔ صفحات ۴۷۹ قیمت — ۱۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com